محمد اسحاق بھٹی

ایک حدیث

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ اَھْلَ وُدِّ اَبِیْہِ۔ (ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی اکرام صدیق الوالد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے، سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے حلقۂ احباب سے تعلقات قائم رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام امور کی پوری طرح وضاحت فرمادی ہے جو اخلاقیات کے مختلف دائروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ عام لوگوں سے میل جول کے آداب، رشتے داروں سے مراسم استوار رکھنے کے طریقے، بہن بھائیوں سے... کا انداز، ماں باپ سے پیش آنے کے اسالیب، اولاد واعزہ سے تعلقات کے اصول، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تکریم۔ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمادی ہیں اور اس چیز کی صراحت کردی ہے کہ معاشرے کے کن لوگوں سے کس نوعیت کے مراسم قائم رکھنے چاہئیں۔

جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ باپ کے دوستوں اور حلقۂ احباب سے بھی تعلقات قائم رکھنے چاہئیں اور ان کی پوری عزت کرنی چاہیے، آنحضرت نے اس طرزِ عمل کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ اسلام کے احکام کسی خاص دائرے تک محدود نہیں ہیں اور اس کے اوامر ونواہی کا سلسلہ کسی ایک ہی موضوع میں سمٹا اور سکڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اس کی حدیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور عبادات ومعاملات کے چھوٹے سے چھوٹے حکم سے لے کر بڑے سے بڑے سلسلے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ زندگی کے ہر شعبے کو محیط اور انسان کو پیش آنے والی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ اس کے نزدیک نیکی کی تعریف بڑی وسعت پذیر ہے اور اپنے اندر انتہائی جامعیت رکھتی ہے۔ پھر اسلام کی خوبی یہ ہے کہ نہایت خوب صورت طریقے سے جچے تلے الفاظ میں ان اقدار کی تشریح کرتا ہے جو انسان

کے فکر و عمل سے عین مطابقت رکھتی ہیں اور معاشرے کے افراد میں باہمی محبت اور ایک دوسرے سے الفت اور یگانگت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم بنانے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔

اسی حدیث کو لیجیے، یہ چند الفاظ کے ایک چھوٹے سے جملے پر مشتمل ہے۔ مگر اس میں جس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ باپ کا اگر کوئی مخلص دوست ہو تو لازماً اپنی ہمدردیوں کا مرکز اپنے دوست کی اولاد کو سمجھتا ہے۔ اس کی زندگی میں بھی وہ اس کی اولاد سے ہمدردانہ برتاؤ کرتا ہے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے ہمدردانہ رویے میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ دوست کی وفات کے بعد اس کی اولاد کو کسی ذہنی اور پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور وہ کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ وہ ان کے بہتر مستقبل کے لیے غور کرتا ہے اور ایسے ذرائع تلاش کرتا ہے جو ان کے لیے آئندہ زندگی میں معاون بنیں ——— لیکن ان کا زیادہ تر انحصار خود ان کے مرحوم دوست کی اولاد کے اس طرزِ عمل پر ہوتا ہے، جو وہ اس کے بارے میں اختیار کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کے دوست سے تعلقات استوار رکھے گی تو ظاہر ہے، وہ بھی اس کو اپنی ہمدردیوں کا مستحق سمجھے گا اور کوشش کرے گا کہ ہمارے مراسم میں مزید استحکام پیدا ہو۔ اور اگر بالفرض اس کی اولاد اپنے باپ کے دوست کو ناقابلِ اعتنا سمجھنے لگے گی تو فطرتاً خود اس کے دل میں بھی ان کے بارے میں وہ جذبات باقی نہ رہیں گے جو آئندہ زندگی میں بہتر نتائج کا باعث بن سکیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی انسانی نفسیات سے عین ہم آہنگ ہے کہ اولاد کو باپ کے دوست سے تعلقات قائم رکھنے چاہییں اور ضروری معاملات میں مناسب حد تک اس سے مشورہ لیتے رہنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوست کی اولاد ہی سے یہ توقع رکھے کہ انھی پر اس کی عزت و تکریم کا فریضہ عاید ہوتا ہے۔ خود اس کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی ان کی طرف دستِ تعاون بڑھاتا اور انھیں مستحقِ اعانت سمجھتا رہے۔ ان پر ہمیشہ شفقت کا ہاتھ رکھے اور دین و دنیا کے ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کا فرض انجام دیتا رہے۔ تعلقات کو اپنے دوست کی زندگی کے بعد ختم نہ کر دے بلکہ جہاں تک ممکن ہو، ان سے میل جول قائم رکھے اور ان کی برابر خبرگیری کرتا رہے۔ یعنی جس طرح اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے باپ کے دوست کے اکرام کو ملحوظ رکھے، اسی طرح دوست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی اس کی اولاد کو شفقت و مہربانی کا مستحق گردانے